۲۰

اِسلام کا تصوّرِ جُرم و سزا

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اِسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۲۰)

اسلام کا تصورِ جرم و سزا

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام کا تصوّر جرم وسزا

تالیف: شہزاد اقبال شام

نظر ثانی وراہ نمائی: ۱۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)

۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی

نگران مطالعہ اسلامی قانون: شہزاد اقبال شام

نگران منشورات: حافظ حبیب الرحمن/محمد نذیر

ناشر: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

طبع اول: ۱۹۹۳

طبع دوم: ۱۹۹۷

طبع سوم: ۲۰۰۲ء

طبع چہارم ۲۰۰۳

قیمت: ۳۰ روپے

فہرست مضامین

۱- تمہید	۱
۲- اسلامی قانون کی ترتیب میں فوجداری سزاؤں کا مقام	۲
۳- جرم اور گناہ	۳
۴- گناہ کی اقسام	۴
۵- اسلامی نظام عدل میں سزا کے مقاصد	۵
(۱) حدود میں	۵
(۲) قصاص و دیت میں	۸
(۳) تعزیر میں	۱۳
خلاصہ	۱۴
۶- فقہ اسلامی میں جرم اور اس کی اقسام	۱۵
(۱) تشدید و تخفیف کے لحاظ سے	۱۵
(۲) ارادے کے لحاظ سے	۱۶
(۳) ایجابی و سلبی جرائم کے اعتبار سے	۱۶
(۴) مخصوص نوعیت کے اعتبار سے	۱۷
۷- جرم کی تشکیل	۱۸
(۱) نص (حکم شرعی)	۱۸
ا- واجب	۱۸
ب- مندوب	۱۸
ج- حرام	۱۹
د- مکروہ	۱۹

و۔ مباح ۱۹

(۲) فعل جرم اور جرم میں اشتراک ۲۲

ا۔ براہ راست اشتراک ۲۴

ب۔ اشتراک بذریعہ سبب و ذریعہ ۲۵

(۳) فوجداری ذمہ داری ۲۶

۸۔ اہلیت کے عوارض ۲۸

(۱) سماوی عوارض یا قدرتی عوارض ۲۸

(۲) اکتسابی عوارض اور عوارض کے اثرات ۲۸

ا۔ جنون ۲۹

ب۔ اِکراہ یا جبر ۲۹

ج۔ کم سنی ۲۹

د۔ مدہوشی ۳۰

۹۔ مزید مطالعے کے لئے ۳۰

۱۰۔ حواشی و حوالہ جات ۳۱

۱۱۔ مصادر و مراجع ۳۱

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی مآخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک

طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔

ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔ إن شاء اللہ العزیز۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

"اسلام میں جرم و سزا کا تصور" اس کورس کا ایک اہم یونٹ ہے۔ جرم و سزا کا موضوع دنیا کے ہر نظام قانون میں ایک اساسی موضوع سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے اس تصور پر قرآن و سنت میں باقاعدہ تفصیلی احکام بھی ملتے ہیں، اور اصولی راہنمائی بھی ملتی ہے جس کی روشنی میں حالات و زمانہ کی رعایت سے قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ان محدود صفحات میں اس موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا تو ناممکن ہے لیکن دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے مزید کتب کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

اس یونٹ میں ابتداً اسلام کے تصور جرم و گناہ کو مختصراً بیان کرنے کے بعد سزا کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد جرم کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگلے حصے میں جرم کی تشکیل کے ضروری عناصر پر بحث کی

گئی ہے۔ آخری حصے میں اس موضوع سے متعلق ایک اہم مسئلہ، فوجداری مسئولیت (Criminal Liability) کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اسی حصے میں اہلیت اور اس کی دونوں اقسام، اہلیت وجوب اور اہلیت اداء پر گفتگو کی گئی ہے۔

فقہ اسلامی میں جرم و سزا کا موضوع یوں بھی بے حد اہم ہے کہ اس سے کسی بھی قانون یا تہذیب کے میلانات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ وہ موضوع ہے جس سے معاشرے اور ریاست کی اخلاقی اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس موضوع سے نظام حیات کے بارہ میں توازن یا عدم توازن کے رویے کا پتا چلتا ہے۔ انسانی حقوق، معاشرتی ذمہ داریوں، ریاست سے وفاداری اور تعلق باللہ کا سراغ بھی اسی موضوع سے ملتا ہے۔

عہد جدید میں اس موضوع کی اہمیت دو چند ہو چکی ہے، مغربی اقدار کے داعی اور علمبردار حضرات افراد کی تعداد ملک میں روز بروز بڑھتی جارہی ہے، صرف بڑھ جانا شاید اتنا خطرناک نہ ہوتا جتنا اجنبی اقدار و تصورات کے حامل اس طبقہ کا ملکی معاملات میں فیصلہ کن حیثیت حاصل کرلینا ہے۔ یہ بات بھی گوارا کی جاسکتی ہے اگر یہ طبقہ مغرب سے محض علم و ہنر حاصل کر کے ملک کی کچھ خدمت کرتا رہتا۔ لیکن ہوا یہ کہ یہ طبقہ نہ صرف مغربی نظام حیات کی چمک دمک سے مرعوبیت کی حد تک متاثر ہے بلکہ ملک کی نظریاتی بنیادوں کے بارہ میں بھی اس کا علم نہ ہونے کے برابر ہے اور اس نہ جاننے کے باوجود اسے اصرار ہے کہ وطن عزیز کی نظریاتی اساس کا تعین کرنے کا حق اس کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اسلامی سزاؤں کے بارہ میں مکمل تفہیم نہ ہونے کے باعث کبھی انہیں "وحشیانہ" گردانتا ہے اور کبھی انہیں "جدید تقاضوں" سے ہم آہنگ نہیں سمجھتا۔ اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو مناسب استدلال کے ساتھ صحیح فکری پس منظر میں علمی انداز میں پیش کیا جائے۔

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے قارئین اس کوشش پر ناقدانہ نظر ڈال کر ہمیں اپنی آراء سے آگاہ کریں گے تاکہ ہم آئندہ طباعتوں میں اس کو مزید بہتر بنا سکیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی،
بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۶ر جمادی الأخر ۱۴۱۷ھ
۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

اسلام کا تصور جرم و سزا

تمہید

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انسانی معاشروں میں جرم اور سزا کا تعلق چولی دامن کا رہا ہے۔ ایک عمل ہے تو دوسرا اس کا اخلاقی و منطقی رد عمل ہے' عمل اکثر و بیشتر انسانی معاشروں میں انسانی فطرت کے مطابق ہی رہا ہے لیکن رد عمل مختلف انسانی تہذیبوں میں بدلتا رہا کہیں کسی معاشرے میں ایک خاص انسانی فعل کو جرم گردانا گیا اور اس کے لئے سزا مقرر کی گئی' وہی فعل کسی دوسرے معاشرے میں سرے سے جرم ہی نہ سمجھا گیا۔ اور کسی تیسرے معاشرے میں اسے دونوں تصورات کے بین بین سمجھا گیا' تاہم تمام تہذیبوں میں جس فعل کو جرم تصور کیا گیا اس پر سزا ضرور دی گئی۔ مجرم کو سزا نہ دینے کا تصور کسی بھی تہذیب میں موجود نہیں ہے۔

یہ تصور اسلامی و غیر اسلامی معاشرت دونوں میں یکساں جزئیات کے ساتھ ملتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کس فعل کو جرم سمجھا جائے اور کسے نہ سمجھا جائے۔

لیکن اسلامی معاشرے اور دوسرے لادینی و غیر اسلامی معاشروں میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر کا ایک مضبوط محور و مرکز ہے جس سے اسلامی معاشرہ لچک پذیر قانون کے باوجود ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا۔ یہ مرکز و محور قرآن' اس کی تفسیر سنت اور صاحب علم و باکردار مسلمانوں کا اجتماعی فکر و عمل' اجماع اور ان سب کی روشنی میں پروان چڑھنے والی انسانی عقل کا استدلال و استنباط (اجتہاد و قیاس) ہے۔ اس اعتبار سے تمام اسلامی قوانین کی طرح اسلام کا تصور جرم و سزا اور قانون اجرائے حدود بھی انہی چار عناصر قانون اسلامی سے ماخوذ ہے۔ اس لئے جہاں یہ انتہائی مضبوط' مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہے وہاں اس میں انسانی معاشرہ کے لئے ضروری حد تک لچک بھی موجود ہے۔

جہاں تک دیگر قوانین کا تعلق ہے تو ان کا انحصار محض انسانی عقل اور تجربات پر ہے' یہی ان کا اثاثہ ہیں جو ہر لحظہ اور ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ وقت کی کسی ایک گھڑی کسی انسانی فعل کو جرم قرار دیا جاتا ہے اور کچھ ہی عرصے بعد محض انسانی سوچ کی تبدیلی کے باعث وہی فعل مباح سمجھا جانے لگتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو چھوڑ کر دوسرے معاشروں کے جملہ مآخذ قانون کا سلسلہ بالآخر انسانی عقل سے جا ملتا ہے۔ گویا حقیقت میں ان کا ماخذ ایک ہی ہے' جبکہ اسلامی قانون کے مآخذ میں الہامی راہنمائی اور نبوی بصیرت و عمل بھی شامل ہیں۔ جہاں فکر انسانی میں کجی آتی ہے' یہ دو مآخذ حقیقی اس کی راہنمائی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اس بنیادی

اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام کے تصور جرم و سزا کا جائزہ لیا جائے تو اس کی اجمالی صورت کچھ یوں بنتی ہے۔

۱۔ اللہ کریم نے کچھ افعال کو جرم قرار دیتے ہوئے ان کی سزا بھی خود مقرر کر دی۔ جیسے چوری کی سزا قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے اور زنا پر کوڑے یا رجم کی سزا' جو مجرم کی مختلف حیثیتوں کے مطابق ہوتی ہے۔

۲۔ کچھ افعال کو دائمی جرم تو قرار دیا لیکن مقررہ سزا کو متضرر (Victim) کی منشاء و مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ جیسے قتل عمد میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت کی سزا ہوتی ہے۔ اسی طرح آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کی سزا مقرر ہے۔

۳۔ ان دونوں اقسام کے علاوہ باقی تمام جرائم پر اللہ نے خود سزا مقرر نہیں کی۔ بعض مواقع پر اسے متضرر کی مرضی سے منسلک کیا اور بعض مواقع پر محض اصول بتاتے ہوئے اسے عدالت و حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ قاضی یا عدالت کی اس صوابدید میں ان جرائم کی سزا بھی شامل ہے جو درحقیقت پہلی اور دوسری قسم کے جرائم میں شامل ہیں لیکن کسی وجہ سے ان کی تعریف سے نکل جاتے ہیں جیسے چوری کی سزا اصلاً تو قطع ید ہے لیکن نصاب سے کم مقدار کے مال کی چوری پر قطع ید کی بجائے تعزیری سزا دینا قاضی کے اختیار میں ہے۔

اسلامی قانون میں پہلی قسم کے جرائم کی سزا کو "حد" دوسری قسم کے جرائم کی سزاؤں کو "قصاص و دیت" اور تیسری قسم کے جرائم کی سزا کو "تعزیر" کہتے ہیں۔

اسلامی قانون کی ترتیب میں فوجداری سزاؤں کا مقام!

فقہ کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں سب سے پہلے عبادات کا ذکر آتا ہے گویا سب سے پہلے انسان کا اس کے رب سے تعلق بتایا جاتا ہے۔ اس کے بعد تمام عبادات کا ذکر ایک مقررہ ترتیب کے ساتھ ملتا ہے۔ پھر انسان کا انسان سے تعلق بیان کرتے ہوئے اس کی ابتداء معاشرے کی بنیادی اکائی' کنبہ سے کی جاتی ہے اور خطبہ (منگنی) نکاح' طلاق' خلع' نسب' حضانت' نفقہ' وراثت اور وصیّت جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ پھر انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات جیسے خرید و فروخت' لین دین' معاہدات' ودیعت' عاریت' حوالہ' کفالہ جیسے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یہ معاملات کہلاتے ہیں۔ فقہائے عظّام کا یہاں تک کا سارا کام ایجابی موضوعات سے عبارت ہے۔ اگر بندے (Subject) کے کوئی عمل نہ کرنے کے نتیجے میں کہیں اختلال واقع ہو تو

سلبی موضوعات کی ابتداء ہوتی ہے جس کے لئے عقوبات کی اصطلاح ہے' عقوبات سے مراد سزائیں ہیں۔ اسلامی قانون یہ توقع کرتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں ہر کام بخیرو خوبی ہو رہا ہے البتہ اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو فاسد عنصر کے ساتھ فساد کی نوعیت کے مطابق سزا کے ذریعے معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی قانون میں سزاؤں (حدود' قصاص و دیت اور تعزیرات) کا مقام ترتیب کے لحاظ سے آخری ہے۔ اسلامی نظام حیات اپنے مکلف (Subject) کو مکمل راہ نمائی فراہم کرنے کے بعد ادھر ادھر ہٹنے ہی پر سزا دیتا ہے اور اس میں بھی اتنی گنجائش مہیا کرتا ہے کہ سزا کا اجرا کم سے کم ہو سکے۔ افسوس ہے کہ آج اسلامی قانون کا ذکر آتے ہی سوچ کا رخ سب سے پہلے سزاؤں کی طرف جاتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ اصحاب کی کسی بھی ایسی محفل میں' جہاں اسلامی نظام کا ذکر ہو رہا ہو' اسلامی نظام سے مراد مالعموم' کوڑوں کی سزا' رجم' قطع ید اور تعزیرات لی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام حیات کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہونے کے باعث ترتیب کو الٹ دیا جاتا ہے جو دیانت داری کے منافی ہے۔

گزشتہ ابواب میں کم و بیش اسی ترتیب کے مطابق بعض اہم موضوعات کا ذکر کہیں مختصراً اور کہیں قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس باب میں جرم و سزا کے تصور پر روشنی ڈالی جائے گی۔

جرم اور گناہ!

گناہ کا تصور ہر تہذیب ہر معاشرے اور ہر نظام زندگی میں کسی نہ کسی شکل میں ملتا ہے۔ گناہ کا تعلق قانون فوجداری سے نہیں ہوتا بلکہ یہ محض ایک ذاتی مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید قانون پر لکھی جانے والی تمام تحریروں میں تصور گناہ پر کوئی بحث نہیں کی جاتی۔ اس کے برعکس اسلامی نظام حیات میں گناہ کے بارے میں ایک جداگانہ تصور ہے۔ ایک مثالی اسلامی معاشرے کے افراد کے تصور عمل کو ایک جملے میں سمونے کی کوشش کی جائے تو وہ جملہ یوں ہے کہ "مجھے ہر لحظہ اللہ دیکھ رہا ہے"۔ اللہ کے اس دیکھنے کو اللہ کی بے پناہ قدرتوں کے ساتھ ملایا جائے تو ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ اللہ ہی آقا و مالک' وہی عادل و منصف' وہی قوت نافذہ کا حامل اور وہی سزا دینے کے بعد اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔

یہ وہ بنیادی فرق ہے جو اسلامی نظام حیات اور اس کے بالمقابل نظم ہائے حیات میں پایا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اسلامی معاشرے کے افراد ضعف ایمان کے باعث اس کی کما حقہ مثال نہ بن سکیں لیکن محض یہ تصور ہی برائی کے بہت بڑے تناسب کو کم کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کو ایک ہی خانے میں دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کو ناپسندیدہ ہر فعل یقیناً اپنی جزا کے ساتھ فاعل پر اثر انداز ہو

گا۔ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اسے چھپانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اللہ کی نگاہوں سے اس کا بچنا ناممکن ہے۔ وہ اس دنیا میں سزا پائے بغیر آخرت میں اللہ کے سامنے حاضر ہوا تو پاک نہ ہو گا۔ پاک ہونے کے لئے اسے اس عمل سے گزرنا پڑے گا جسے جزا اور سزا کا عمل کہا گیا ہے جس کا ایک اہم ستون جہنم اور اس کی ہولناکیاں ہیں۔ چنانچہ اس سے بچت کے لئے اللہ نے ایک طرف تو توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور دوسری طرف دنیاوی سزا کا نظام وضع کیا جو بندے کو دنیا ہی میں پاک کر دیتا ہے۔

گزشتہ ایک باب "اسلام میں عدل و قضا کا تصور" میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ اسلامی معاشرے میں انسان کا اولین قاضی اس کا اپنا ایمان (ضمیر) ہوتا ہے۔ یہی اول اول تو اسے گناہ سے بچاتا ہے لیکن بوجوہ گناہ کا ارتکاب ہو ہی جائے تو خود ایمان ہی اسے اکساتا رہتا ہے کہ خود کو دنیا ہی میں پاک کر لو' آخرت کا عذاب بہت درد ناک ہے۔ یہ حدیث بخاری میں ملتی ہے کہ ایک شخص خود اپنے لڑکے کو پکڑ کر رسول اللہ کے سامنے لایا کہ اس نے ایک قبیح جرم کا ارتکاب کیا ہے' اسے سزا دیجئے۔ باپ کو اس فعل پر ہولناک سزا کا بھی علم تھا جو سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی پر مشتمل تھی۔

ذرا اور آگے آیئے ایک عورت حرام کاری کے ارتکاب پر نادم ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا اور اسے مہلت دی گئی کہ وہ حمل سے تھی۔ وضع حمل کے بعد وہ عورت پھر آگئی کہ سزا نافذ کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھر رعایت دی کہ بچہ دودھ پینے کی عمر میں تھا۔ دو سال بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو بچہ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کرا دی(۱)۔

اس مقدمہ میں دیکھئے کوئی تفتیش نہیں ہوئی' اعتراف کے بعد اس پر جرح نہیں ہوئی اور جو ہوئی تو اسے بچانے کے لئے' مہلت دینے کے بعد کہیں اس بات کا اندراج نہیں ہوا کہ فلاں تاریخ کو سرکاری پیادے اسے پکڑ کر حاضر کریں۔ اگر کچھ ہوا تو اعتراف! اور مکمل اعتراف کہ مجھے اس دنیا میں پاک کر دیجئے۔

گناہ کی اقسام!

اسلامی معاشرت میں جس کام کے کرنے سے روکا گیا ہو اس کا ارتکاب کرنے' اور اس کام کے نہ کرنے پر' جسے کرنے کے لئے کہا گیا ہو' دونوں کا شمار گناہ میں ہوتا ہے۔ گناہ کی دو بڑی اقسام ہیں۔ ایک گناہ وہ ہیں جو اللہ اور بندے کے درمیان کسی معاملے میں ہیں۔ ان پر فوجداری مواخذہ نہیں ہے۔ طلاق دینے کا ایک مسنون طریقہ ہے'

اس سے ہٹ کر ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں اور انہیں پر مصر رہا جائے تو میاں بیوی کا نکاح ختم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن شوہر نے چونکہ مسنون طریقے سے ہٹ کر طلاق دی اس لئے اللہ کے ہاں وہ گناہ گار ہے جس کی سزا پائے گا لیکن دنیا میں حکام کے لئے ممکن نہیں کہ اسے فوجداری سزا دیں۔ تین طلاق کے بعد سابقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے حلالہ کا ایک ناپسندیدہ طریقہ ہے جس کے شرکاء پر اللہ نے لعنت فرمائی لیکن فقہی اعتبار سے حلالہ کے بعد سابقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا درست ہے جس پر کوئی فوجداری سزا نہیں ہے۔ گناہ کی سزا البتہ آخرت میں ہے۔

اسی طرح روزہ توڑنے، قسم توڑنے، کفارہ ادا نہ کرنے اور عائلی زندگی میں بے شمار تنازعات اللہ نے گناہ میں شمار کئے ہیں جن پر حاکم وقت سزا دینے کا روادار تو نہیں ہے لیکن اللہ کی پکڑ سے بچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسے تمام افعال کے بعد توبہ کا راستہ موجود ہے جس کے بعد بخشش کا احتمال موجود ہے۔

گناہ کی دوسری قسم کے ارتکاب پر فوجداری مسئولیت (Criminal Liability) ہے۔ اس قسم کو اسلامی قانون میں جنایت کہتے ہیں جسے بالعموم جرم کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً" اس سے مراد عام گناہ ہے تاہم اس سے مراد جرم ہی لی جاتی ہے۔ جرم وہ فعل یا ترک فعل ہے جس پر اسلامی عدالتیں مرتکب کو طلب کر سکتی ہیں اور مناسب کارروائی کے بعد سزا دیتی ہیں۔

اسلامی نظام عدل میں سزا کے مقاصد!

اس بحث کو محض اسی عنوان کے تحت سمیٹنا آسان نہیں ہے کیونکہ سزا کے مقاصد ہر سزا کی اپنی نوعیت کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ حدود شارع (اللہ تعالیٰ) کا حق ہیں جن میں کمی بیشی کرنا ظلم ہے، ان کے مقاصد جدا ہیں۔ قصاص و دیت کی جزا وضع کرنے کے مقاصد الگ ہیں۔ علی ہذا القیاس باقی تعزیری سزاؤں کے مقاصد بھی ان کے مطابق ہیں۔ اس لئے سزاؤں کی اس تقسیم ثلاثہ کا تعارف اور مقاصد الگ الگ بیان کرنا زیادہ مفید ہے۔

حدود

حدود، حد کی جمع ہے اس کے لغوی معانی روک یا رکاوٹ ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے حد کی تعریف میں کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شے ہے جو دو اشیاء کو باہم ملنے سے روک دے(۲)۔ اسی لغوی نسبت سے حد انگریزی لفظ (Boundary) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ حد الدار سے مراد مکان کا وہ حصہ ہے جہاں سے دوسرا مکان شروع ہوتا ہے۔ دونوں مفاہیم کو جمع کیا جائے تو ایک تیسری مثال "حدّاد" کی ہے۔ حداد، دربان کو کہتے ہیں جو ایک خاص

مقام کے بعد لوگوں کو آگے جانے سے روک دیتا ہے۔

یہی مفہوم اصطلاحی حد میں ملتا ہے۔ حدود اللہ کی ترکیب یہ مفہوم ظاہر کرتی ہے کہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں سے اللہ کے اختیارات شروع ہوتے ہیں لہٰذا جو بھی اس حد (Limit) کو عبور کرے گا مستوجب سزا ہو گا۔ مثال کے طور پر موت دینے والا اللہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ موت پر اللہ کے اختیارات ہیں جو شخص ان اختیارات کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے اختیارات کی حد کو عبور کر کے اللہ کے اختیارات میں مداخلت کا مجرم ہوتا ہے کیونکہ مجرم ان اختیارات کا ناجائز استعمال کرتا ہے جو اللہ کے ہیں۔

حدود کو اس نام سے موسوم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان مقامات سے پہلے تک اللہ کی طرف سے کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ دو افراد آپس میں لڑیں، ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو اسلامی فوجداری قانون کے تحت انہوں نے جرم تو کیا ہے جس کی سزا تعزیراً مقرر کی جا سکتی ہے لیکن ابھی تک انہوں نے اللہ کی مقرر کردہ حد کو عبور نہیں کیا۔ جونہی وہ گالیوں سے آگے بڑھ کر "قذف" کی طرف آتے ہیں تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مقرر کردہ حد کو عبور کر لیا ہے اس لئے اب مستوجب سزا ہیں۔ اس سزا کو حد کہتے ہیں۔ اس حد کے عبور کرنے پر فوجداری مسئولیت ہے۔

نصوص (قرآن و سنت) سے اس طرح کے سات افعال کی نشان دہی ہوتی ہے جن کی حدیں مقرر ہیں۔ ایسے افعال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حد عبور کرنے پر سزا بھی مقرر ہے۔ یہ مقررہ حدود (Prescribed Limits) مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ارتکاب زنا

جس میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے سو کوڑے اور بعض صورتوں میں ایک سالہ جلاوطنی بھی شامل ہے۔ (النور، ۲۴: ۲، کتب حدیث)

۲۔ قذف

کسی پاک دامن شخص پر زنا کی تہمت لگانے پر اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ (النور، ۲۴: ۴)

۳۔ شراب نوشی

اللہ نے شراب کو حرام قرار دیا (المائدہ، ۵: ۹۰) اس کے باوجود کوئی مسلمان شراب نوشی کا ارتکاب

کرے تو چالیس اور بعض صورتوں میں اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔

۴۔ چوری

کسی کا مال چوری کرنا فوجداری جرم ہے' اس کی سزا (قطع ید) بھی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ (المائدہ' ۵: ۳۸)

۵۔ خون ریزی و فساد فی الارض

ریاست کے امن و سکون کو برقرار رکھنا بھی حکومت کے مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے۔ اس میں خلل ڈالنا مقررہ حد کو عبور کرنے کے مترادف ہے جس کے لئے قتل' سولی' ہاتھ پاؤں کاٹنا اور جلاوطنی جیسی سزائیں اپنے موقع کی مناسبت سے مقرر ہیں۔ جدید دور میں دہشت گردی جیسے جرائم اس کی زد میں آسکتے ہیں۔ (المائدہ' ۵: ۳۳)

۶۔ ارتداد

اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے پھر جانا' قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ (البقرہ' ۲: ۲۱۷) جس کی سزا موت ہے (نیز کتب حدیث)۔

۷۔ بغاوت

اسلامی ریاست سے وفاداری اس کے شہریوں کے بنیادی فرائض میں سے ایک ہے۔ اس فرض سے پہلو تہی' اگر بغاوت کی صورت میں ہو تو حد عبور کرنے کے مترادف ہے (الحجرات' ۴۹: ۹) جس کے لئے سزا مقرر ہے (نیز کتب حدیث)۔

یہ وہ سات حدود ہیں جو اللہ کا حق ہیں۔ ان حدود کو عبور کرنے پر باقی شرائط پوری ہو جائیں تو فاعل کو حدود کی مناسبت سے سزا دی جاتی ہے۔ مفسرین اور اصولین (Jurists) نے ان تمام سزاؤں کے مقاصد بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو اپنے محور پر رکھا جائے توازن اور اعتدال کو فروغ دیا جائے نہ کہ انتہا پسندی کے ذریعے معاملات طے کئے جائیں۔ سزاؤں کی نوعیت ہی ظاہر کر رہی ہے کہ ان حدوں کو عبور کرنے والا توازن سے دور ہی نہیں بلکہ انتہائی حد سے بھی آگے نکل گیا ہے' جس کے ساتھ معاملہ کرنا اب انسانی عقل کے ذریعے ممکن نہیں بلکہ الہامی ہدایت کے ذریعے ہی مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی ابدیت کے باعث یہ حدود بطور اصل کلی تو قرآن اور حدیث کی کتب میں مندرج ہیں لیکن اسلامی معاشرہ قائم کئے بغیر ان کا نفاذ آسان نہیں ہے۔ ان پر عمل درآمد کرنا ایک انتہائی پیچیدہ اور میکانکی عمل ہے جس سے گزر کر ہی مجرم کو سزا دی جا سکتی ہے۔ یہ عمل اس قدر مشکل اور نادر الوجود ہے کہ اس کا نفاذ اعلیٰ اخلاق کے حامل افراد کے معاشرہ ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدود بالخصوص حد زنا میں نظیریں (Precedents) نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کے نفاذ کے لئے اس قدر کڑی شرائط ہیں کہ بظاہر ان پر عمل کرنا از حد دشوار ہے۔ اس لئے وہ لوگ جن کے ذہن میں اسلام کا تصور سزاؤں سے عبارت ہے، کتب فقہ کا لازماً مطالعہ کریں تاکہ ان پر اسلام کے اثباتی قوانین (Positive Laws) بھی واضح ہو سکیں۔

قصاص و دیت

یہ سزا کی دوسری قسم ہے۔ قصاص سے مراد خون کا بدلہ لینا ہے۔ اس لفظ کی اصل، ق ص ص ہے(۳)۔ القص کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنے کے ہیں۔ مجرم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا قصاص ہے جو اس نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ بلا سبب و اختیار کیا ہے۔ قصہ بھی اسی سے مشتق ہے یہ کسی ایسے واقعے کو دہرانے کا نام ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔ یہاں بھی کسی واقعہ کی نقل کرنا اس کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اسی لغوی مناسبت سے قصاص کا لفظ قاتل کے فعل قتل کے نتیجے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قصاص کے یہ معنی عام طور پر لئے جاتے ہیں۔ اس سے مراد قتل کا بدلہ قتل لیا جاتا ہے لیکن قصاص میں وہ تمام سزائیں بھی شامل ہیں جو کسی کو جسمانی طور پر زخمی کرنے پر مجرم کو دی جاتی ہیں۔ مراد یہ کہ مجرم کی طرف سے جب بھی متضرر کو ارادتاً ضرر پہنچایا جائے تو قصاص ثابت ہے چاہے اس ضرر سے متضرر کی ہلاکت ہو جائے یا اس کے کسی عضو کا اتلاف ہو، اور چاہے عضو کی صلاحیت کا اتلاف ہو۔ ان تمام صورتوں میں قصاص ثابت ہے بشرطیکہ مجرم کی نیت ثابت ہو جائے۔ قصاص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ، ۲:۱۷۹، ۱۷۸)

تمہارے لئے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی

قتل کیا جائے' اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لئے تیار ہو' تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے' اس کے لئے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو' تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔

قصاص کی مشروعیت سنت سے بھی ثابت ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین اما ان یعطی الدیة و اما ان یقاد اهل القتیل (۴)

جس کا کوئی (عزیز) قتل ہو جائے اسے دو اختیار (Options) ہیں یا دیت لے لے یا قصاص۔

مذکورہ بالا آیات اور اس حدیث کو ملا کر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے قتل عمد کی صورت میں یا تو قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا مقتول کے ورثاء چاہیں تو اس کا خون بہا (دیت) طلب کر سکتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ قتل کا معاملہ قابل تصفیہ ہے۔ اگر مقتول کے ورثاء قصاص کے بدلے میں دیت پر راضی ہو جائیں تو قاضی کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ انہیں اپنا یہ حق استعمال کرنے سے روکے کیونکہ خود اللہ کے الفاظ میں "یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے" (ترجمہ)۔ آگے فرمایا کہ اس کے بعد زیادتی کرنے والے کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء قاضی کی عدالت میں قاتل کے ساتھ دیت پر راضی ہو جائیں اور قاتل کو قصاص سے نجات دے دیں تو قاتل کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی اس نرمی سے فائدہ اٹھائے اور مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک دفعہ دیت پر تصفیہ ہو جانے کے بعد قاتل ٹال مٹول کرے یا لیت و لعل سے کام لے۔ اس صورت میں مقتول کے ورثاء کو مجبوراً ایک دفعہ پھر عدالت کا رخ کرنا پڑے گا جہاں قانونی موشگافیوں کا سہارا لے کر قاتل دیت سے بھی جان چھڑانے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے دیت کو اپنی طرف سے تخفیف اور رحمت قرار دیا جس سے فائدہ اٹھانا اب قاتل

کے ذمہ ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ مقتول کے ورثاء سے مزید زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لئے اللہ کا درد ناک عذاب ہے۔

یہ تمام احکام رعایتوں کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اللہ نے قصاص اور دیت میں سے اپنی پسند (Recommendation) بڑے بلیغ انداز میں بیان کر دی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ "تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے"۔ صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے پہلے تو قتل کے بدلے قتل واجب ٹھہرایا' پھر ورثاء کو یہ حق دیا کہ چاہیں تو قاتل کی جان بخشی کر دیں اور بدلے میں کچھ لے کر اسے معاف کر دیں اور آخر میں اللہ نے ان دونوں راستوں میں سے ایک کے لئے اپنی سفارش (Recommendation) بھی دے دی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم قصاص کا راستہ اختیار کرو تو یہ نہ سمجھو کہ ایک شخص کی جان جارہی ہے۔ ہرگز نہیں! بلکہ قصاص میں تمہارے لئے زندگی کا پیغام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی دینا اللہ کی شان ہے اور وہی زندگی واپس لینے کا حق رکھتا ہے' وہی قاتل کو معاف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ معافی کا یہی جزوی حق اس نے مقتول کے ورثاء کو ایک حد تک تفویض (Delegate) کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس نے یہ اظہار بھی کر دیا کہ اگر کوئی قصاص کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس میں بھی معاشرے کے لئے فوز و فلاح اور بہتری کی ضمانت ہے' یہاں اللہ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو بصیرت رکھتے ہوں۔ رہے عام لوگ تو ان کے لئے اس نکتہ میں تفہیم کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ وہ بس اللہ کی ودیعت کردہ تخفیف اور رحمت سے متمتع اور مستفید ہوں۔ ان کے لئے یہی کافی ہے۔

قصاص کی دوسری شکل اتلاف عضو یا اتلاف صلاحیت عضو کی صورت میں ہے۔ ایسی حالت میں مجرم کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنی اس نے متضرر کو دی ہو۔ قرآن میں اللہ کا فرمان ان الفاظ میں ہے۔

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ ۵:۴۵)

جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

قصاص کی ان دونوں شکلوں کا بدل (Substitute) اللہ نے بطور تخفیف اور رحمت کے' دیت مقرر کی ہے'

اس کے علاوہ قتل شبہ عمد، قتل خطا اور عمداً یا خطاً زخم کی صورت میں بھی دیت ہے لیکن ان صورتوں میں دیت کی سزا اصل سزا ہے نہ کہ بدل کے طور پر، جیسا کہ قصاص میں یہ اللہ کی طرف سے ایک تخفیف اور رحمت ہے۔ دیت کی اس دوسری شکل کے بارے میں اللہ کا فرمان ان الفاظ میں ہے۔

وَمَاكَانَ لِمُومِنٍ اَن يَقتُلَ مُومِنًا اِلاَّخطَاءً وَمَن قَتَلَ مُومِنًا خطَاءً فَتحرِيرُ رَقَبَةٍ مُومِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسلَّمَةٌ اِلى اَهلِهٖ اِلاَّ اَن يَصَدَّقُوا (النساء، ۴: ۹۲)

کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے، الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔

اس الٰہی فرمان کی توضیح رسول اللہ کی یہ حدیث کرتی ہے۔

الا ان فی قتیل عمدا الخطاء قتیل السوط والحصا والحجر مائة من الابل (۵)۔

قتل عمد خطاء، کوڑے، لاٹھی اور پتھر سے قتل ہے جس کی دیت سو اونٹ ہے۔

قتل عمد، قتل شبہ عمد اور قتل خطا کے تفصیلی احکام کا یہاں موقع نہیں ہے۔ تفصیلی احکام جاننے کے لئے کتب فقہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ تاہم بالاختصار یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مقتول کے ورثاء قاتل سے قتل عمد کی صورت میں قصاص، اور چاہیں تو دیت لے سکتے ہیں۔ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی صورت میں دیت کی رقم حدیث کی رو سے ایک انسانی جان کے بدلے میں سو اونٹ یا ان کی مالیت کے برابر اس وقت کا سکہ رائج الوقت (چاندی) ہے۔ موجودہ قانون، قصاص و دیت آرڈیننس میں یہ رقم کی شکل میں ہے جس کی مالیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ قانون تا دم تحریر عارضی آرڈیننس ہی کی شکل میں ہے جو ہر چار ماہ بعد مکرر نافذ ہوتا ہے۔

فوجداری ذمہ داری قرآن و سنت کے ذریعے براہ راست مقرر ہو یا ان کے احکام سے مستنبط ہو، دونوں صورتوں میں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اول الذکر کی صورت میں احکام الٰہی کے نتیجے میں سزا دی جاتی ہے اور دوسری صورت میں اللہ کی طرف سے تفویض کردہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے معاشرے کو فساد سے پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ تمام انسان فی الاصل اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ کی تخلیق ہیں۔ یہ وہ

مخلوق ہے جسے اللہ نے خود اپنے الفاظ میں احسن تقویم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس لئے اللہ کو اپنی یہ مخلوق بے حد عزیز ہے۔ ذرا دیکھیے کہ دنیاوی رشتوں میں ماں وہ مقدس رشتہ ہے جو اپنی اولاد سے بے حد پیار کرتی ہے لیکن ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے جو ایک ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے۔ اور ماں کی اولاد سے کی جانے والی محبت' اللہ کی اپنے بندوں سے محبت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ ہی نے اپنی مخلوق کے بعض افعال پر کڑی سزائیں بھی مقرر کی ہیں جن میں سے ایک سزا کو زندگی بھی قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس سزا میں قاتل کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ (ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب) اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کی موت باقی معاشرے کے لئے زندگی کا پیغام ہے۔ قاتل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو مقتول کے ورثاء کا اسے دیکھتے ہی طیش میں آجانا فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور رد عمل کے طور پر قتل در قتل کا تسلسل قائم ہو سکتا ہے۔ قصاص آج کل کے رائج الوقت لادینی تصورات سے بظاہر ہم آہنگ نہیں ہے لیکن اس کی روح کو وہی معاشرے سمجھ سکتے ہیں جہاں خاندان اور قبیلے کا تصور موجود ہو۔ وہ معاشرے جن میں خاندان سے مراد میاں بیوی اور دو بچے ہوں (بلکہ اب تو اس تصور میں بھی بڑی حد تک تغیر واقع ہو گیا ہے۔ اب خاندان کی ہیئت ترکیبی میں سے بچوں کا تصور بھی معدوم ہوتا جارہا ہے) ان کے لئے قصاص اور اس کے متعلقات کی تفہیم آسان نہیں۔

درد اور کرب ہی کو لیجئے۔ کوئی بھی انسان جسم کے کسی بھی حصے میں معمولی درد سے بے چین ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا تدارک نہ ہو جائے' بے قرار رہتا ہے۔ بادی النظر میں درد ایک ناپسندیدہ احساس ہے اور یہ بات بالکل درست ہے۔ لیکن کسی بھی طبیب کی رائے لے لیجئے درد کو نعمت خداوندی قرار دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درد بجائے خود کوئی مرض نہیں ہے بلکہ یہ وہ سگنل ہے جو انسانی جسم میں کسی مرض کی نشاندہی کر رہا ہے۔ درد سر بجائے خود کوئی مرض نہیں بلکہ یہ انسانی جسم کے کسی دوسرے عضو میں خرابی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خرابی کو جلد از جلد دور کر لو ورنہ اس سے امراض کا تسلسل قائم ہو سکتا ہے۔ اب درد کا احساس نہ ہو تو کیا مرض ختم ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے انسان کا مرض تو بتدریج بڑھتا ہی چلا جائے گا اور اسے علم بھی نہ ہو گا۔

قصاص اور دوسری سزائیں بھی اللہ کی طرف سے درد کی طرح نعمت ہیں جن کے ذریعے معاشرے کو اپنے محور پر رکھا جاتا ہے۔ اسلامی تصور معاشرت ایک نامیاتی جسم کی مانند ہے جس میں سزائیں وہ درد ہیں جو اس نامیاتی جسم میں کسی مرض کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اختصار سے اس اصول کو بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ معاشرے کو

اپنے محور پر رکھنے کے لئے سزاؤں کا اجراء کیا گیا جن کا مریض کو کڑوی دوا کی طرح دینا ضروری ہے۔

تعزیر

یہ وہ تیسری اصطلاح ہے جو اسلام کے فوجداری نظام میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ لغوی اعتبار سے تعزیر سے مراد کسی شخص کی مدد کرنا ہے(۶)۔ شرعاً" تعزیر سے مراد ان جرائم پر سزا دینا ہے جن کے ارتکاب پر نصوص میں کوئی حد مقرر نہ کی گئی ہو۔ تعزیر کی صحیح تفہیم اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی جمع کرنے ہی سے ممکن ہے۔ پہلے مفہوم کو لیا جائے تو کسی شخص کی مطلق مدد کرنا مراد ہے۔ اس مفہوم کے ساتھ شرعی مفہوم شامل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر سے مراد کسی شخص کی اس طرح مدد کرنا ہے کہ اس کی تادیب کی جائے۔ تعزیر سے مراد اصلاح بذریعہ تادیب ہے۔ رسول اللہ کا فرمان ہے۔ انصر اخاک ظالما او مظلوما (۷) "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم"! ایک شخص نے سوال کیا کہ ظالم ہونے پر اس کی مدد کیوں کر ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' "اسے ظلم سے باز رکھ کر" تعزیر کسی کو ظلم سے باز رکھنے کی ایک صورت ہے۔

یہ مفہوم ذہن میں رکھتے ہوئے اسلام کے تعزیری نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر کا اساسی مقصد مجرم کی اصلاح ہے۔ یقیناً تعزیر کے ذریعے بعض ثانوی مقاصد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جیسے متضرر کے جذبہ انتقام کو رفع کرنا بھی تعزیر کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ تاہم ان تمام ثانوی (Secondary) مقاصد کے علی الرغم تعزیر کی حقیقی اور بنیادی غایت اس ایک فرد کی اصلاح کرنا ہے جس نے کوئی ایسا فعل سرانجام دیا ہو جس سے اسے منع کیا گیا تھا۔ یا کوئی ایسا کام نہ کر سکا جسے کرنے کے لئے اسے حکم دیا گیا ہو۔

تعزیر کا اجراء امام کی صوابدید پر ہے۔ امام (Head of the state) یہ صوابدید قاضی کے ذریعے استعمال کرتا ہے۔ تعزیر وہاں جاری ہوتی ہے جہاں کسی وجہ سے حد ساقط ہو جائے یا نصوص میں ان مقامات کی نشاندہی نہ ہو جن کو عبور کرنا موجب حد ہوتا ہے۔ مثلاً شراب نوشی موجب حد ہے لیکن شراب کی تیاری' اس کی پیکنگ' اس کی نقل و حمل' خرید و فروخت' اس کا لین دین' اس کی تشہیر' اس کی تجارت' تجارت کے معاہدات اور ان معاہدات میں شہادت وغیرہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں نصوص میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ ان امور پر سزا کا تعین امام کے ذمہ ہے۔ ظاہر ہے ایک شخص شراب کشید کرنے کے بعد لامحالہ اسے فروخت کرے گا۔ اگرچہ اس نے نہ خود شراب نوشی کا ارتکاب کیا اور نہ کسی کو پینے کے لئے مجبور کیا لیکن مسلمانوں کے لئے وہ ماحول اور حالات پیدا کر دیے ہیں جن میں شراب نوشی آسان ہو جاتی ہے' ایسی حالت میں شراب کشید کرنے والے شخص کے لئے اسلام

تعزیری قوانین وضع کرنے کی اجازت دیتا ہے جن میں سزاؤں کا حجم حدود و قصاص سے کم ہوتا ہے۔ حد اور تعزیر دونوں سزائیں ہیں لیکن اول الذکر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اس لئے اس میں کمی بیشی کرنا امام کے اختیارات میں نہیں ہے لیکن تعزیر وہ سزا ہے جس کی مقدار، نوعیت، حجم اور طریق تنفیذ امام کے اختیار میں ہے حتیٰ کہ وہ سزا کو موقوف بھی کر سکتا ہے۔

خلاصہ!

اگرچہ مذکورہ بالا سزاؤں کے مقاصد ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح ہر جرم کی سزا بھی مختلف ہے جو کئی دوسرے عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے دی جاتی ہے، تاہم مختصراً ان سزاؤں کے مقاصد یہ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا مقصد علت اور معلول کے قانون پر قائم ہے۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے لازماً ہاتھ جلتا ہے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ بالکل اسی طرح جرم کی آگ میں ہاتھ ڈالنے کا نتیجہ سزا کی شکل میں ہونا ضروری ہے۔ بجلی کا بٹن دبانے سے روشن قمقمہ بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح خاموشی سے کام کرتی ہوئی کائنات کے کسی حصہ میں فطری قوانین کے راستے میں جرم کی رکاوٹ کھڑی کی جائے تو علت و معلول کا قانون سزا کی نشاندہی کرتا ہے۔

۲۔ ایک مقصد مجرم کی اصلاح بھی ہو سکتا ہے جس کی کچھ نہ کچھ قیمت ادا کرنا مجرم کے ذمہ ہے۔ یہ قیمت سزا کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہی مفہوم لفظ تعزیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں ملتا ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ ایک مقصد دوسروں کو جرائم سے روکنے کے لئے تنبیہ بھی ہے۔ خیر و شر کی طرف ہر شخص کا میلان کم و بیش ہو سکتا ہے۔ جہاں خیر کی طرف مائل کرنے کے لئے شریعت نے انسان کو کئی ترغیبات دی ہیں، وہیں شر سے روکنے کے لئے عقوبات وضع کی گئی ہیں۔ دوسروں کے کسی ناپسندیدہ عمل پر ملنے والی سزا کو دیکھ کر شر کی طرف میلان رکھنے والے افراد بسبب خوف بہت کچھ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

۴۔ ایک مقصد متضرر (Victim) کی تسکین بھی ہو سکتا ہے کوئی شخص ایک شریف انسان پر تہمت لگائے تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہے، یہ ایک شریف آدمی ہی اندازہ کر سکتا ہے۔ اب قاذف کے الفاظ تو ہوا کی لہروں پر سفر کرتے ہوئے کئی افراد تک پہنچ چکے ہوتے ہیں جن کے باعث اس کی جس قدر کردار کشی ہونا تھی وہ ہو جاتی ہے۔ اب اس کی قلبی کیفیات ایسی نہیں ہیں جو عام انسان کی ہو سکتی ہیں، قاذف نے کچھ

الفاظ کے ذریعے ایک شخص کا سکون غارت کر دیا۔ یہ متضرر کا ایک پیدائشی حق ہے کہ اسے یہ کھوئی ہوئی دولت واپس لوٹائی جائے اور اس کی تلافی کی جائے اس کی ایک شکل قاذف کو سزا دینا بھی ہے۔ اس مقصد کے ذریعے مقذوف کی قلبی تسکین کا حصول ہے جو حد قذف نافذ کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ایک اساسی مقصد معاشرے میں عدل کا قیام بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں عدل سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں یعنی اشیاء کو اپنے اپنے مقام پر توازن کے ساتھ رکھنا۔ مجرم کے ساتھ اس کے جرم کی مناسبت کے ساتھ کیا گیا سلوک دوسروں کو اس جرم سے باز رکھتا ہے اس طرح ہر شخص اپنے اپنے مقام پر رہتا ہے۔ یہ عدل قائم کرنے کی ایک بالواسطہ صورت ہے۔

سب سے بڑا مقصد اللہ نے خود قصاص والی آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے معاشرے کا ارتقاء اس راستے پر چل کر ہی ممکن ہے جس کی سفارش شارع نے انسانوں کے لئے خود کی ہے۔

فقہ اسلامی میں جرم اور اس کی اقسام

گزشتہ صفحات میں حدود، قصاص و دیت اور تعزیرات کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فی الاصل جرم کیا ہے؟ اس کی تشکیل کیونکر ہوتی ہے؟ اس کی غائیت کیا ہے؟ اس کی درجہ بندی ممکن ہے یا نہیں؟ یہ وہ چند اہم سوال ہیں جن کا جواب ضروری ہے۔

جرم دراصل اس فعل کا نام ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم نصوص سے ثابت ہو، اس کے لئے گناہ کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ اس اعتبار سے احکام الٰہی سے روگردانی بھی جرم ہے لیکن فوجداری نظام میں جرم سے مراد وہ فعل ہے جس پر فوجداری مسئولیت ہو۔ اس لئے عرف عام میں گناہ کا ارتکاب جرم کی تعریف میں نہیں آتا۔

مشہور مصری مصنف عبدالقادر عودہ شہید نے اپنی کتاب "التشریع الجنائی الاسلامی" میں جرم کی اقسام پر پانچ مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے۔ جن میں سے چار اہم اقسام کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جا رہا ہے(۸) یہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تشدید و تخفیف کے لحاظ سے

اس اعتبار سے جرم کو تین مزید انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ تین انواع، حدود، قصاص و دیت اور تعزیرات ہیں۔ ان تینوں جرائم کی سزا اپنی ترتیب کے لحاظ سے کم و بیش ہے۔

۲۔ ارادے کے لحاظ سے

جرم کی دوسری تقسیم مجرم کے ارادہ اور اختیار کے لحاظ سے کی گئی ہے انہیں ارادی جرائم اور غیر ارادی جرائم کہا جا سکتا ہے۔ کسی بھی جرم کو ان دو اقسام میں تقسیم کرنا ضروری ہے اسی سے جرم کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ مقدمہ کی کارروائی میں ابتدا یہ بتانا بڑا اہم ہے کہ مذکورہ جرم مجرم کے ارادے کا مظہر ہے۔ اس صورت میں مجرم سزا میں کسی تخفیف کا مستحق نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بلا ارادہ جرائم ہیں۔ یہ مجرم کی نیت کی بجائے اس کی خطا کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں مجرم کو کچھ رعایتیں دی جا سکتی ہیں جس کا انحصار دو باتوں پر ہے۔

پہلی صورت یہ کہ فاعل کسی فعل کو ارادتاً" سرانجام دے لیکن اس کے نتیجے سے باخبر نہ ہو جیسے شکار کھیلتے ہوئے گولی جانور کو لگنے کے بجائے کسی انسان کو لگ جائے۔ یہاں فاعل کا فعل یقیناً ارادتاً" ہے لیکن حاصل شدہ نتیجہ اس کے ارادہ و اختیار میں نہیں تھا' نہ اس میں کسی کوتاہی کا دخل تھا۔ اس لئے اس بنا پر اسے سزا میں تخفیف کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ فاعل کا فعل ارادتاً" ہو اور وہ اس کے نتیجے سے بھی باخبر نہ ہو لیکن اس کی یہ بے خبری اس کی اپنی عدم توجہی' لاپرواہی' غفلت اور کوتاہی کے باعث ہو اور اس فعل کے نتیجے میں جرم واقع ہونے کا احتمال موجود ہو۔ جیسے آج کل سرکاری ادارے تار' نل وغیرہ بچھانے کے لئے گلیوں اور سڑکوں کی کھدائی کرتے ہیں اور اکثر اوقات کام ادھورا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' گلیاں اور سڑکیں گڑھوں اور خندقوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ کام ادھورا چھوڑنے والوں کا ارادہ کسی کو ضرر پہنچانا نہیں ہوتا لیکن ان کی غفلت کی وجہ سے کوئی بھی ان گڑھوں میں گر کر نقصان اٹھا سکتا ہے۔ جس کا ذمہ دار متعلقہ محکمہ ہے۔ اس صورت میں متعلقہ ذمہ دار شخص یا محکمہ پر فوجداری مسئولیت ہے۔ عدالت اسے سزا دے سکتی ہے۔

۳۔ ایجابی و سلبی جرائم کے اعتبار سے

اس اعتبار سے بھی جرائم کی تقسیم ممکن ہے' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جرم کسی ایسے فعل یا ترک فعل کا نام ہے جس پر فوجداری مسئولیت ہو۔ اسی فعل یا ترک فعل کی تقسیم سے جرائم کی ایک اور تقسیم ظاہر ہوتی ہے۔ اس تقسیم کے تحت جرائم کو ایجابی اور سلبی اقسام میں تقسیم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر شارع کسی فعل کے کرنے کا حکم دے اور بندہ اس کے برعکس ترک فعل کا رویہ اختیار کرے تو یہ سلبی جرم بن جاتا ہے۔ یہاں بندے نے اللہ کے حکم کی نفی کر کے منفی طریقہ اپنایا ہے۔ جیسے ایک سے زائد بیویوں میں عدل کرنا شوہر پر فرض ہے۔ یہ عدل نان نفقے اور حسی اشیاء کی فراہمی میں ہے۔ اگر کوئی شوہر ایسا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو گویا اس نے سلبی

جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یوں امر کی نفی کر کے وہ ترک فعل کر کے سلبی جرم کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت پڑنے پر گواہوں کو گواہی دینے کا حکم ہے' اگر وہ اسے چھپائیں تو وہ بھی سلبی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

دوسری طرف شارع نے جس کام کے کرنے سے منع فرمایا ہو اور انسان وہ کام کر گزرے تو اس طرح ایجابی جرم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شارع نے جواء کھیلنے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کوئی جواء کھیلتا ہے تو ترک فعل کے بالمقابل فعل کا رویہ اپناتا ہے۔ نفی کے مقابلے میں اثبات کر کے ایجابی جرم کرتا ہے' پاک دامن عورتوں پر تہمت' حرام کاری' شراب نوشی' دوسروں کی حق تلفی' چوری' غبن' ڈکیتی یہ سب ایجابی جرائم کہلاتے ہیں۔

۴۔ مخصوص نوعیت کے اعتبار سے

یہاں ان جرائم کا بیان آتا ہے جو فرد یا معاشرے کے خلاف ہوں۔ کسی بھی معاشرت میں فرد کے خلاف جرم کا تسلسل بالآخر تمام معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اسی طرح معاشرے کے خلاف کئے جانے والے جرائم کا لازمی اثر افراد معاشرہ پر پڑتا ہے کیونکہ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے ساتھ ہی ثابت ہے۔ نہ فرد معاشرے کے بغیر اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے اور نہ معاشرے کا تصور افراد کے بغیر ممکن ہے۔ لہٰذا زیر نظر تقسیم میں ایک طرف وہ جرائم ہیں جو فرد کے خلاف ہیں اور دوسری طرف معاشرے کے خلاف جرائم کی فہرست ہے۔ اس تقسیم کی وجہ یہ ہے کہ فرد کے خلاف کیے جانے والے جرائم کا خود فرد مدعی ہوتا ہے۔ اور معاشرے کو ضرر پہنچانے والے جرائم کا دعویٰ ریاست کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد فی الحقیقت مدعی کا تعین کرنا ہے۔

حدود سے متعلق جرائم اگرچہ افراد کے بارے میں ہوتے ہیں تاہم یہ جرائم معاشرت کو ضرر پہچاتے ہیں۔ اس لئے متضرر مجرم کو معاف بھی کر دے تو مجرم سزا سے نہیں بچ سکتا۔ جیسے چوری کے مقدمے میں جرم ثابت ہونے کے بعد مدعی کے لئے ممکن نہیں رہتا کہ وہ چور کو معاف کر دے حالانکہ مقدمہ قائم ہونے سے قبل اسے چور کو معاف کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ مقدمہ قائم ہونے کے بعد اس کی مدعی ریاست ہے نہ کہ وہ شخص جس کا مال چوری ہوا ہو۔ لہٰذا ان مقدمات میں مجرم کے خلاف دو مدعی ہوتے ہیں ایک وہ جس کے خلاف جرم ہوا ہے' دوسرا اسلامی ریاست جو جرم کو معاشرتی اقدار اور ریاست سے بغاوت تصور کرتی ہے۔ بعض صورتوں میں متضرر کے اطمینان دلانے سے ریاست مطمئن ہو جاتی ہے لیکن بعض معاملات میں مجرم کے خلاف ریاست الگ سے مقدمہ قائم کر کے اسے سزا دلاتی ہے تاکہ معاشرے کو اس کے شر سے محفوظ رکھا جا سکے۔

جرم کی تشکیل

جرم اور گناہ میں فرق واضح ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جرم کی تشکیل کیوں کر ہوتی ہے' وہ کون سے عناصر ہیں جن کے باعث ہم کسی فعل کو جرم کہہ سکتے ہیں' اور کن حالات میں اسے جرم کے زمرے سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس پیمانے پر بات آگے بڑھائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جرم کے تین بنیادی لوازم ہیں جن کے باہم جمع ہونے پر جو بھی نتیجہ سامنے آئے اسے جرم کہا جاتا ہے۔ ان تین میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو صورت حال تبدیل ہو سکتی ہے۔ جرم کی تشکیل مندرجہ ذیل تین بنیادی ارکان (Ingredients) سے ہوتی ہے۔

۱۔ نص (حکم شرعی)

نص سے مراد قرآن و سنت ہیں۔ قانون میں اسے قانون موضوعہ یا وضعی قانون کے قائم مقام سمجھ لیجئے۔ جس طرح جدید قانون میں کسی وضعی قانون (Statutory Law) کی عدم موجودگی میں کسی فعل کو جرم قرار نہیں دیا جا سکتا اسی طرح اسلامی قانون میں بھی کسی فعل کو جرم قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کا کوئی نہ کوئی حکم موجود ہو۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ حکم دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ نص میں کسی فعل کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور دوسرے یہ کہ کسی فعل کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ دونوں صورتوں میں حکم کی خلاف ورزی پر جرم کی نوعیت کے مطابق فوجداری مسئولیت (Criminal Liability) ہے۔ یہ حکم کی پہلی قسم ہے۔ ایسے حکم کو حکم تکلیفی کہتے ہیں کہ جس میں بندے کو مکلف (Liable) ٹھہرایا گیا ہو۔ حکم تکلیفی کا مختصر تعارف یوں ہے۔

حکم تکلیفی

حکم تکلیفی کی مندرجہ ذیل پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ واجب

نص میں حکم کی نوعیت اس طرح ہو کہ مکلف (بندے) کے لئے اس کا بجا لانا ہر حال میں لازمی ہو' ایسے فعل کے نہ کرنے پر کہیں گناہ اور کہیں فوجداری مسئولیت ہے۔ اللہ کی طرف سے جس فعل کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو اسے واجب (Obligatory) کہتے ہیں۔ جیسے نماز' روزہ' زکوۃ کی ادائیگی کے احکام۔ ان احکام کے نزول کے بعد ان کی خلاف ورزی پر دنیاوی یا اخروی سزا ہے۔

۲۔ مندوب

حکم کی تعمیل میں ثواب اخروی ہو اور دنیا میں اس حکم کی خلاف ورزی پر فوجداری مسئولیت نہ ہو تو

ایسے حکم کو مندوب کہا جاتا ہے جیسے صدقات نافلہ کے بارے میں احکام وغیرہ جن پر عمل سے اخروی ثواب تو ہوتا ہے لیکن ان کا نہ کرنا دنیا میں فوجداری مقدمات کا باعث نہیں ہے۔

۳۔ حرام

یہ قانون کی وہ قسم ہے جس کے بارے میں نص میں صراحتاً" رک جانے کے لئے حکم موجود ہو اس کے باوجود بھی کوئی خلاف ورزی کرے تو اس کو سزا ہوتی ہے جسے اصطلاحاً" ترک فعل کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابل میں فعل کا رویہ اختیار کیا جائے تو جرم ہے۔ شرائط پوری ہونے پر اس کے لئے سزا بھی ہے۔ جیسے شراب نوشی، جوا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

۴۔ مکروہ

بہت عام فہم لفظ ہے۔ یہ حکم ترک فعل کے لئے ہوتا ہے۔ اگر کسی فعل کا چھوڑنا اس کے کرنے سے افضل ہو تو اس فعل کا کرنا مکروہ کہلاتا ہے۔ حکم کی تعمیل اگر اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو تو اس پر ثواب ہے۔ حکم کی خلاف ورزی کرنے والا کسی سزا کا مستحق نہیں ہوتا البتہ اسلامی معاشرت میں عامہ المسلمین ایسے افعال کے ارتکاب کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے جیسے حدیث میں آتا ہے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق "حلال کاموں میں سے ناپسندیدہ ترین فعل طلاق ہے" چنانچہ طلاق دینے پر نہ تو گناہ ہے اور نہ دنیاوی سزا۔ لیکن ایسا شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے جس کی حد بندی فقہی احکام میں ناممکن ہے۔

۵۔ مباح

اگر کسی فعل کا کرنا نہ کرنا برابر ہو تو اسے مباح کہا جاتا ہے، مباح کی پہچان کے کئی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اللہ کے احکام میں اس کا ثبوت موجود ہو۔ جیسے تمام حلال و طیب اشیاء کا استعمال جائز ہے اب ان کا واقعی استعمال بندے کی مرضی و منشاء پر ہے۔ چاہے ایک طرح کی اشیاء استعمال کرے اور چاہے تو دوسری طرح کی اشیاء حاصل کرے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نص میں سے کسی شے کے مباح ہونے کا اعتبار کر لیا جائے جیسے واذا حللتم فاصطادوا (المائدہ، ۵:۲) "اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو" یہاں فاصطادوا میں اگرچہ حکم کا انداز ہے تاہم قرینہ دلالت کر رہا ہے کہ شکار کرنا مباح ہے، فرمایا:

"اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو"۔ یعنی چاہو تو شکار کرو اور چاہو تو نہ کرو۔ مباح کے تفصیلی احکام جاننے کے لئے کتب فقہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا پانچ احکام حکم تکلیفی کی ہلکی سی تفصیل ہیں۔ یہ وہ قوانین موضوعہ ہیں جن کی عدم تعمیل پر جرم کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے۔

حکم وضعی

حکم شرعی ہی کی ایک اور قسم حکم وضعی کہلاتی ہے۔ وضع سے مراد بنانا ہے۔ تخلیق و ایجاد کے معنی بھی اس میں موجود ہیں "وضع البیت" سے مراد گھر بنانا ہے(۹)۔ یہ وہ حکم ہے جو بنایا گیا ہو' تخلیق کیا گیا ہو۔ بالاختصار یہ وہ حکم ہے جو وضع کیا جائے' فی الاصل (In fact) موجود نہ ہو۔ ایسے حکم کے وضع کرنے کے لئے یہ تین اشیاء ہونا ضروری ہیں۔

اولاً کوئی سبب ہو جس کے باعث حکم وضع کیا جائے۔ جیسے بلا سبب کسی شخص کا ہاتھ کاٹنا قطعی طور پر حرام ہے لیکن فعل سرقہ پر قطع ید ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ فاعل نے ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو اس کے قطع ید کا سبب بن گیا۔ اس طرح مجرم نے اپنے لئے ایک ایسا سبب پیدا کر لیا جس کی وجہ سے حکم وضع ہوا۔ (المائدہ' ۵:۳۸)' یہ سبب چوری ہے۔

ثانیاً" حکم وضع کرنے کے لئے کوئی شرط ہو جیسے اسی چوری کے مقدمے میں ایک حکم وضعی تو وجود میں آچکا ہے لیکن اس کی تکمیل کے لئے ایک شرط بھی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ قطع ید کی سزا ربع دینار کی چوری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک چوتھائی دینار سے کم مقدار مالیت کی چوری پر قطع ید کا حکم ثابت نہیں ہے۔ یہاں نصاب شرط ہے۔

ثالثاً" حکم وضع کرنے کے لئے کسی مانع کا ہونا ضروری ہے۔ مانع عام فہم لفظ ہے جس سے مراد رکاوٹ ہے۔ مانع دراصل کسی سبب کے حکم کو ختم کرتا ہے اور یوں حکم ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے قاتل کے لئے حکم شرعی قصاص ہے۔ مقتول کے ورثاء چاہیں تو دیت پر راضی ہو جائیں' راضی نہ ہوں تو بدلے میں قاتل کی جان لے سکتے ہیں۔ لیکن کوئی باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو بدلے میں قصاص کی حد نافذ نہ ہو گی بلکہ وہ مقتول بیٹے کے بقیہ ورثاء کو دیت دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص اسی صورت میں نافذ ہوتا ہے جب تمام ورثاء دیت پر راضی نہ ہوں اگر ان میں سے کوئی بھی مقتول کے خون بہا میں سے اپنے حصہ کے طور پر دیت کا مطالبہ کرے تو قاتل کی جان میں

سے اس خاص وارث کا حصہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جبکہ قصاص کی روح یہ ہے کہ مکمل جان کے بدلے میں مکمل جان لی جائے اور دیت پر راضی ہونے کی صورت میں مکمل جان میں سے کچھ حصہ کم ہو جانا عین فطری ہے۔ اس حالت میں قصاص کا نفاذ ممکن نہیں رہتا بلکہ باقی ورثاء کو بھی دیت ہی لینا پڑتی ہے۔ یہی صورت بیٹے کے قتل میں پیش آتی ہے۔ بیٹے کی دیت میں خود باپ بھی حصہ دار ہوتا ہے۔ اس مقدمہ میں میت کا خود باپ ہونا قصاص کے لئے مانع (رکاوٹ) ہے۔ یہاں مانع وہ حکم وضعی ہے جس نے پہلے حکم قصاص کو ساقط کر کے نیا حکم وضع کر دیا جس کی وجہ سے پہلا حکم ختم ہو گیا اور نئے حکم کی نوعیت یکسر بدل گئی۔

حکم شرعی کی یہ بحث بہت پہلودار اور ہمہ جہت ہے۔ تفصیل کے لئے کتب اصول فقہ کا مطالعہ کیجئے۔

حکم تکلیفی کی اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی نص (Text) کی عدم موجودگی میں حکم تکلیفی ثابت نہیں ہوتا لیکن اسلامی فوجداری جرائم کے تین اہم پہلو ہیں ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ صورت حال ہے۔ یہ پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ وہ جرائم جو حدود کے زمرے میں آتے ہیں۔

۲۔ وہ جرائم جو قصاص و دیت کی ذیل میں آتے ہیں۔

۳۔ تعزیری جرائم جن کی سزا امام یا قاضی کی صوابدید پر ہے۔

اول الذکر جرائم میں سزا کا نفاذ اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتا جب تک جرائم حدود مکمل طور پر واقع نہ ہو جائیں۔ یہ جرائم حدود، جیسا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، سات ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پر نص موجود ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ حد زنا (النور، ۲:۲۴)

۲۔ تہمت زنا پر حد (النور، ۲۴، ۴:)

۳۔ چوری پر حد (المائدہ، ۵:۳۸)

۴۔ شراب نوشی پر حد (المائدہ، ۵:۹۰)

۵۔ راہزنی، ڈاکہ زنی، دہشت گردی پر حد (المائدہ، ۵:۳۳)

۶۔ حد ارتداد (اسلام ترک کرنے پر) (البقرہ، ۲:۲۱۷)

۷۔ بغاوت و خروج پر حد (الحجرات، ۴۹:۹)

دوسری قسم کے جرائم وہ ہیں جن کا تعلق قصاص اور دیت سے ہے۔ قصاص میں قتل بالارادہ، کسی زندہ انسان کے اعضاء کا قطع کرنا اور ارادتاً" کسی کو زخمی کرنا شامل ہے۔ ان سب پر الٰہی احکام واضح ہیں۔ بالارادہ قتل پر بدلے میں قتل کی سزا قرآن سے ثابت ہے (البقرہ، ۲: ۱۷۸)، اعضاء قطع کرنے پر (المائدہ، ۵: ۴۵) میں سزا مقرر ہے، زخمی کرنے پر البقرہ، (۲: ۱۹۴) راہنمائی کرتی ہے۔ دیت کے بارے میں النساء، (۴: ۹۲) میں اور احادیث میں تفصیلی احکام ملتے ہیں۔

جہاں تک جرائم تعزیر کا تعلق ہے تو اس بارے میں شریعت اسلامیہ میں صراحتاً" نصوص تو نہیں ملتے لیکن کچھ اصول ضرور موجود ہیں جن کی روشنی ہی میں سزا نافذ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی افعال کثرت سے ہیں۔ اس لئے تعزیری سزاؤں میں شریعت نے ایک عمومی کلیہ یہ بیان کر دیا ہے کہ وہ افعال جن پر حد نافذ کی جا سکتی ہے ان سے ملتے جلتے کم تر افعال جرائم پر قاضی کو اختیار ہے کہ وہ کم تر سزا دے۔ قاضی کے اختیارات کی تحدید البتہ یوں ہے کہ وہ ایسے افعال پر حدود جیسی سزا نہ دے۔ حد سے کم سزا میں قاضی کو لامحدود اختیارات ہیں۔ وہ چاہے تو سرے سے سزا ہی موقوف کر دے۔ لیکن یاد رکھئے کہ یہ تمام مسائل ایک اسلامی معاشرے کے تناظر میں ہیں اور اسی ماحول میں حل ہو سکتے ہیں، نظری بحثوں سے کوئی ٹھوس، موثر اور دیرپا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

۲۔ فعل جرم

جرم کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ نص کی موجودگی کے ساتھ کسی ممنوع فعل کا ارتکاب بھی ہو۔ ایسے فعل کے مکمل ہوتے ہی جرم کا دوسرا رکن وجود میں آجاتا ہے، البتہ فقہاء جرم کی تکمیل کے ساتھ ایک دوسرا موضوع بھی زیر بحث لاتے ہیں جسے جرم کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔ نیز اسے نامکمل جرم کے زمرے میں لانا بھی ممکن ہے، جیسے کوئی شخص تیز دھار آلہ قتل یا آتشیں اسلحہ لے کر کسی کے گھر میں بلا اجازت قتل کے ارادہ سے جبراً داخل ہو، پھر اس پر حملہ آور ہو، اور وہ آدمی اس طرح زخمی ہو کہ اس کا کوئی عضو ضائع ہو جائے۔ اس عمل میں آتشیں اسلحہ سے حملہ آور ہونے کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ ہے دوسرے کی موت، جو بوجوہ نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس واقعہ کا تجزیہ یوں ہو سکتا ہے۔

۱۔ مجرم بلا اجازت دوسرے کے گھر میں داخل ہوا جس پر قاضی تعزیری سزا دے گا۔

۲۔ مجرم کے گھر داخلہ پر اہل خانہ نے مزاحمت کی لیکن وہ جبراً داخل ہوا۔ یہ دوسرا تعزیری جرم ہے جس

کی نوعیت اول الذکر سے زیادہ سنگین ہے' یہاں بھی قاضی تعزیری سزا دے گا۔

۳۔ مجرم کے حملہ کرنے پر دوسرا آدمی زخمی ہوا اور اس کا کوئی عضو ضائع ہو گیا۔ یہ فعل باعث قصاص ہے جہاں قاضی کے اختیار کی حد ختم ہوتی ہے اور اس آدمی کی صوابدید ہے کہ چاہے تو قصاص میں مجرم کے عضو کے ضیاع کا مطالبہ کرے اور چاہے عضو کے بدلے میں دیت پر راضی ہو جائے۔ البتہ اس صوابدید کو قاضی نافذ کرے گا۔

۴۔ یہاں تک قاضی کے اختیارات کی حدود ہیں۔ رہا ارادہ قتل تو اس پر کوئی سزا نہیں ہے کیونکہ اسلامی فوجداری قانون میں مجرد ارادے پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی' البتہ کسی کا ارادہ اس قدر واضح ہو کہ دوسرے قرائن بھی یہ نشاندہی کرتے ہوں کہ مجرم صرف ارادہ ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ اقدام کے لئے بھی تیار ہے تو اس حالت میں حکومت انتظامی اقدام کے ذریعے لوگوں کو بچائے گی لیکن ارادے پر سزا دینا پھر بھی ممکن نہیں ہو گا۔ بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ مجرم نے آتشیں اسلحہ سے حملہ کر کے کسی کو ہلاک کر دیا تو مذکورہ بالا تمام جرائم' قتل کی ذیل میں آجائیں گے۔ اب گھر میں داخلے' مزاحمت پر جبرا داخلے اور ہر زخم پر الگ الگ سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اسے صرف ایک ہی انتہائی سزا دی جائے گی۔ باقی تمام ذیلی جرائم اسی ایک بڑے جرم کے تحت آجائیں گے۔ حتیٰ کہ اگر وہ تیز دھار آلہ لے کر کسی پر حملہ آور ہوا اگرچہ اس کی نیت قتل کی نہ ہو' اور حملہ میں دوسرا شخص ہلاک ہو جائے' تو بھی یہ قصاص کا باعث ہے کیوں کہ اسے قتل عمد ثابت کرنے کے تمام شواہد اس واقعہ میں موجود ہیں۔

جرم میں اشتراک

جرم کی تشکیل کے لئے دوسرا عنصر جو اس وقت زیر بحث ہے' فعل جرم میں اشتراک ہے' فعل اگر کوئی شخص اکیلے کرے تو شریعت میں اس شخص کے لئے جرم کی نوعیت کے مطابق مناسب سزا ہوتی ہے۔ اس صورت میں سزا کا تعین آسان ہے لیکن وہی جرم اگر ایک سے زائد افراد مل کر کریں تو یہ پیچیدہ یا مرکب جرم بن جاتا ہے' جہاں ہر مجرم کو اس جرم کے حجم کے مطابق سزا دینا خاصا دشوار عمل ہے۔ جرم میں اشتراک کی کئی شکلیں ممکن ہیں' مثلاً کوئی شخص کسی کو جرم پر اکسائے' ترغیب دے تو یہ بھی جرم ہے۔ لیکن یہ بحث بہت طویل ہے' کیونکہ اس ذیل میں بہت سے عنوانات آسکتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا کردار بھی زیر بحث آسکتا ہے' بارہا ایسے ہوا کہ نوجوان مجرموں کا

کوئی گروہ پکڑا گیا اور انہوں نے اعتراف کیا کہ فلاں فلم یا ڈراما دیکھ کر انہیں اس طرح جرم کرنے کا خیال آیا۔ اس ضمن میں ادب میں پائے جانے والے وہ رجحانات بھی زیر بحث آسکتے ہیں جو بالاخر جرم کے محرکات بن جاتے ہیں۔ عام دیکھا گیا ہے کہ ادیبوں کی کوئی انجمن طبقاتی اونچ نیچ کو ارادتاً" اپنے مخصوص مقاصد کے لئے اس طرح استعمال کرتی ہے کہ بہت سے خام ذہن کے حامل پڑھنے والوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک طبقے کے ذہن میں دوسرے کے خلاف بغض پیدا ہوتا ہے۔ جونہی اسے کوئی موقع ملتا ہے وہ جرم کر گزرتا ہے حالانکہ وہی موقع اسے اپنے طبقے کے کسی فرد کے خلاف میسر آئے تو وہ جرم سے باز رہتا ہے۔ اس سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس معاشرتی اونچ نیچ کو مزید پارہ پارہ کرنے والے وہ ادیب ہی اس زیر بحث جرم کے فی الاصل محرک ہیں۔ لیکن معاملہ کا مطالعہ یوں کیا جائے تو اس ڈور کا سرا ہاتھ نہیں آتا۔ اس طرح ایسا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے کہ ایک محرک کے پیچھے دوسرا اور اس کے پیچھے کوئی اور محرک مل جاتا ہے اور یوں اس سلسلے کو فوجداری نظام میں منضبط کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے جرائم پر اس طرح اکسانے کا عمل ہماری بحث کے دائرے سے باہر ہے۔ البتہ اسلامی ریاست میں مذکورہ بالا افعال بجائے خود جرائم شمار ہوتے ہیں۔ ایسے ادب، ڈرامے اور فلم کے لئے محکمہ دعوت و ارشاد کا ذیلی شعبہ "احتساب" مصروف عمل رہتا ہے جس کا کام اس طرح کے رجحانات کو ختم کرنا ہے۔

جرم پر اکسانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جرم میں مجرم کے ساتھ باقاعدہ شریک ہو کر اس کی معاونت کی جائے۔ اس کی کئی عملی صورتیں ہیں اور یہی ہماری بحث کا موضوع ہیں۔ ان تمام کو دو بڑی اقسام کے تحت لایا جا سکتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ براہ راست اشتراک

براہ راست اشتراک سے مراد وہ اشتراک ہے جس میں جرم کرنے والے تمام افراد براہ راست شریک ہوں ان کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ چند افراد مل کر چوری کریں اور کوئی ایک ان کا سرغنہ ہو جس کی سرکردگی میں وہ تمام مراحل سرانجام دیں تو وہ سب کے سب جرم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ہر ایک کی سزا ایک جیسی ہو گی۔ چند افراد کسی شخص کو قتل کرنے کے ارادہ سے ہتھیار لے کر نکلیں اور اس پر حملہ آور ہوں، کوئی اس کی ٹانگ پر گولی چلائے کہ بھاگ نہ سکے، کسی کی گولی بھاگ دوڑ میں اس کے بازو پر لگے، اس کے بھاگنے پر کوئی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جائے حتیٰ کہ کسی کے فائر کرنے سے وہ مر جائے تو ہر ایک مجرم قتل عمد کا مرتکب ہو گا جس کی سزا قصاص ہے، کوئی مجرم یہ کہہ کر بری نہیں ہو سکتا کہ اس نے تو محض مقتول کو پکڑا تھا، یا اس کی گولی سے مقتول محض

زخمی ہوا تھا' کیونکہ ان سب کی نیت مقتول کی جان لینا تھی۔ اس بنا پر تمام مجرموں کو شبہ کا فائدہ بھی نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ بعض حالات میں دیا جاتا ہے۔ اس لئے جرم موجب حد ہے تو سب پر حد جاری ہو گی۔ موجب قصاص یا دیت ہے تو بھی سزا ہر ایک پر برابر نافذ ہو گی' البتہ مجنون اور عاقل کا اشتراک ہو تو مجنون کی سزا میں تو تخفیف ہو جائے گی لیکن عاقل کو کوئی چھوٹ نہیں دی جائے گی۔

۲۔ اشتراک بذریعہ سبب و ذریعہ

اشتراک کی اس حالت میں اصل مجرم کے ساتھ دوسرے لوگ مکمل شریک نہیں ہوتے وہ مجرم کے ارادہ سے باخبر ہوتے ہوئے جرم کے عمل میں اس کو وہ اسباب مہیا کرتے ہیں جو جرم کی تکمیل کا باعث بنتے ہیں۔ اگر وہ مجرم کے ارادہ جرم سے لا علمی کی وجہ سے اسباب جرم مہیا کریں تو شریک جرم نہیں ہوتے۔ کوئی شخص یہ بتا کر زہر حاصل کرے کہ کسی شخص کو مارنے کے لئے اسے استعمال کرے گا تو فراہم کنندہ اس جرم میں اشتراک بالسبب شمار کیا جائے گا لیکن وہی شخص محض زہر مانگے اور اسے زہر فروخت کر دیا جائے تو فراہم کنندہ شریک جرم تو متصور نہ ہو گا لیکن ایک غیر مجاز شخص کو خطرناک زہر مہیا کرنے کے جرم میں اسے الگ سے سزا دی جا سکتی ہے۔

اس قسم کے اشتراک میں شریک کی جرم میں شرکت کی نیت نہیں ہوتی لیکن اس کا فعل اسے جرم میں شریک ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ وہی فعل مجرم کو جرم کی تکمیل کے لئے مدد فراہم کرتا ہے۔

چنانچہ حدود اور قصاص و دیت کے جرائم میں سبب میں شریک کو ان جرائم کی اصل سزا نہیں دی جاتی بلکہ اعانت جرم بالسبب کے جرم میں تعزیری سزا دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حدود اور قصاص و دیت اسلامی فوجداری نظام میں ایسی انتہائی سزائیں ہیں جن کے لئے بہت کڑی شرائط ہیں۔ ان کے نفاذ کو ممکنہ حد تک کم کرنے کے لئے شارع نے کئی قسم کے شبہات کی نشان دہی بھی کی ہے جن کے ذریعے حدود اور قصاص و دیت پر عمل کم سے کم ہوتا ہے۔ اشتراک سبب کے معاملہ میں بھی ایک شبہ موجود ہے جس کی وجہ سے اس کی سزا میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ یہ شبہ جرم میں اس کی براہ راست عدم شرکت ہے۔ دوسرے یہ کہ محض زہر مہیا کرنا قتل کا ایک محرک تو بن سکتا ہے لیکن قتل کا باعث بننے کے لئے کئی دوسرے عوامل بھی ضروری ہیں جو صرف قاتل کے اختیار میں ہیں۔ شریک سبب ان سے بری الذمہ ہے کیونکہ فعل قتل محض زہر کی فراہمی ہی پر موقوف نہیں' لاتعداد دوسرے لوازم سے مل کر اس کی تکمیل ہوتی ہے جو قاتل کے اختیار میں ہیں نہ کہ زہر فراہم کرنے والے کے قبضہ قدرت میں۔

کئی صورتوں میں شریک سبب بھی شریک مباشر (اصل مجرم) کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہوتی ہے جو اصل مجرم کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ ایک مشتعل شخص کسی پر خالی ہاتھ حملہ آور ہو' پاس کھڑا ہوا شخص اس ہیجانی کیفیت میں اس کے ہاتھ تیز دھار خنجر یا آتشیں اسلحہ دے دے اور وہ اس کے ذریعے مذکورہ شخص کو جان سے مار ڈالے تو شریک سبب بھی موجب قصاص یا دیت ہے۔ کیونکہ یہاں اس کے سبب نے اشتراک کی وہ حالت اختیار کرلی ہے جس کے ذریعے وہ مقتول کی جان کے خاتمے کا براہ راست باعث بنا۔ ممکن ہے حملہ آور کی نیت مقتول کی جان لینا نہ ہو' ممکن ہے محض مار پیٹ اور جسمانی ضربات سے حملہ آور کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا لیکن دوسرے شخص کے اشتراک نے اس معاملہ میں وہ حالت اختیار کرلی ہے جو بظاہر تو اشتراک مباشر (براہ راست اشتراک) کی بجائے اشتراک سبب ہے (کیونکہ یہاں اسلحہ مہیا کرنے والے کی نیت یہ نہ تھی کہ اس کے ذریعہ مقتول کی جان لی جائے) اس کے باوجود چونکہ عملاً اسی کے فعل اور اشتراک ہی کی وجہ سے مقتول کی جان ضائع ہوئی' اس وجہ سے وہ اتنا ہی شریک جرم متصور ہوتا ہے جتنا دوسرا کوئی براہ راست شریک جرم متصور ہو سکتا ہے۔

جہاں تک شریک سبب کے دوسرے مخصوص اوصاف کا تعلق ہے جن کے باعث سزا کی نوعیت میں کمی بیشی ممکن ہے تو اس بارے میں قاضی کو کہیں صوابدیدی اختیارات ہیں اور کہیں یہی صوابدیدی اختیارات قاضی کے اختیارات کو محدود کرتے ہیں۔ مجنون شریک سبب بنے تو اس کی سزا معاف کرنا لازم ہے لیکن قاضی کو یہ صوابدید حاصل ہے کہ ایسے مجرم کو قید کرا دے کیونکہ ممکن ہے کہ اس شریک سبب مجنون مجرم کا جنون آئندہ بھی ایسے ہی واقعات کا محرک بنے۔ قاضی اس پر قائل ہو جائے تو احتیاطاً" قید کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔ اسی طرح عادی مجرم کے بارے میں بھی قاضی کو یہی اختیار ہے کہ وہ حالات کے مطابق اسے سزا دے۔

جرم کے اس دوسرے رکن یعنی فعل میں اشتراک کا تعلق بہت حد تک حالات سے ہے۔ حالات ہی کی روشنی میں قاضی کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ کسی فعل کو اشتراک مباشر قرار دے یا اشتراک سبب گردانے۔

۳۔ فوجداری ذمہ داری

حکم تکلیفی کی بحث میں ایک اصطلاح مکلف بھی استعمال ہوتی ہے۔ جس کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جسے تکلیف دی جائے یعنی افعال کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ مکلف کے لئے ایک دوسری اصطلاح محکوم علیہ بھی ہے جس سے مراد بھی انسان ہی ہے۔ دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کے لئے مترادف ہیں۔ اور موقع و محل کی نسبت سے استعمال ہوتی ہیں۔

ضروری ہے کہ جس شخص کو تکلیف یا حکم دیا جارہا ہو وہ اس حکم پر عمل کرنے کا اہل بھی ہو۔ اہل ہونے کے لئے اہلیت ضروری ہے' یہ اہلیت بالغ اور عاقل انسان میں ہوتی ہے' نابالغ اور مجنون اس سے خالی ہوتے ہیں۔ اصول فقہ کی روشنی میں اہلیت کی دو قسمیں ہیں جنہیں اہلیت وجوب اور اہلیت اداء کہتے ہیں۔ اہلیت وجوب وہ اہلیت ہے جو ہر انسان کے لئے ثابت ہے۔ اس کے لئے صرف انسان ہونا اور زندگی شرط ہیں۔ عقل اور بلوغ اس کے لئے ضروری نہیں۔ یہی وہ اہلیت ہے جس کی وجہ سے انسان کو اس کے حقوق ملتے ہیں' بچہ باپ کی وراثت میں سے حصہ پاتا ہے' اس کا نسب ثابت ہوتا ہے' اسے زندہ رہنے کا حق ملتا ہے' یہ حق ختم کرنے والے کے لئے قصاص ہے۔ اہلیت کی یہ قسم ہماری گفتگو سے باہر ہے۔ ہمارے پیش نظر انسان کی وہ اہلیت ہے جسے فقہا اہلیت اداء کہتے ہیں۔ جب کسی انسان میں یہ اہلیت موجود ہو تو وہ شرعی احکام کا مخاطب ہوتا ہے۔ اللہ اس سے اپنے احکام پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ فقہاء نے دو طرح کی اہلیتوں کو چار ادوار میں تقسیم کر رکھا ہے پہلے تین ادوار میں اہلیت کو ناقص اور چوتھے دور کی تکمیل پر اسے اہلیت کاملہ یا اہلیت اداء کاملہ کہتے ہیں۔

پہلا دور' دور جنین ہے۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں اس کے لئے حقوق جیسے وصیت' نسب' میراث اور وقف تو ثابت ہیں لیکن فوجداری مسئولیت خارج از بحث ہے۔

دوسرا دور بچے کی پیدائش سے لے کر سات سال کی عمر تک کا دور ہے۔ ایسے بچے کو صبی غیر ممیّز کہتے ہیں۔ اس عرصے میں بچہ ادراک سے محروم ہوتا ہے' اسے ناسمجھ تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس عرصے میں اس سے سرزد ہونے والے فوجداری افعال پر اس سے کوئی مسئولیت نہیں۔ لیکن فوجداری مسئولیت کے دیوانی پہلو سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ ایسا کوئی بچہ آتشیں اسلحے سے کھیلتے کھیلتے کسی کو مار ڈالے تو قصاص ہے نہ دیت۔ لیکن بچے کے ولی سے دیت وصول کی جا سکتی ہے۔ چوری وغیرہ کے مقدمات میں بچہ مکمل بری الذمہ ہے۔

فوجداری مسئولیت کا تیسرا دور سن تمیز (ساتویں سال) سے اس کے سن بلوغ تک رہتا ہے۔ سن بلوغ کے بارے میں قدیم فقہاء اور آج کل کے علماء کے تصورات میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض کے خیال میں سن بلوغ پندرہ سال سے شروع ہوتا ہے' بعض کے خیال میں بچے کا محض بالغ ہونا ہی بلوغ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے' عمر اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ بالغ ہونے کے لئے احتلام یا حیض شرط ہے' عمر کے اس دور میں بھی بچے پر فوجداری مسئولیت نہیں ہے لیکن فوجداری مسئولیت کا دیوانی پہلو حسب سابق ثابت ہوتا ہے۔ اس عہد میں ایک اضافہ یہ ہے کہ بچے کو بطور سرزنش تعزیری سزا دی جا سکتی ہے جس کا مقصد بچے کی اصلاح ہے نہ کہ بالغ شخص کی طرح جرم

کی سزا دینا۔ اس دور میں چوری پر حد نہیں لیکن تادیبی سزا دی جا سکتی ہے' لڑائی اور دنگا فساد کرنے والے ایسے بچے کے لئے بھی تادیبی سزا ہی ہے۔ یہ تمام سزائیں بچے کے لئے بطور سرزنش اور تنبیہ ہیں۔ اس لئے ایسے بچے کو رائج الوقت اصطلاح میں سزا یافتہ مجرم تصور نہیں کیا جاتا۔

چوتھا عہد بلوغ سے لے کر موت تک کے عرصہ پر محیط ہے' اس عرصے میں وہ تمام حدود کے لئے مسئول ہے۔ قصاص و دیت کے جرائم میں بھی وہ جواب دہ ہے' تمام تعزیری سزائیں بھی اس کے لئے ثابت ہیں۔ اس مدت کے لئے جملہ فوجداری معاملات زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اس عہد کا خاتمہ انسان کی موت پر ہوتا ہے' موت پر ہر انسان کا مردہ جسم محترم اور لائق ادب ہے۔ زندہ انسان کے کسی جرم کی کوئی سزا اس کے مردہ جسم کو نہیں دی جا سکتی۔

اہلیت کے عوارض

عوارض عارضہ کی جمع ہے۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جس کے باعث عام شرعی احکام میں تبدیلی وقع ہو جاتی ہے۔ لفظ عارضہ اردو میں بھی رائج ہے جو بیماری کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص کو کوئی مرض لاحق ہو تو کہا جاتا ہے کہ فلاں کو فلاں عارضہ لاحق ہے جس کے باعث اس کے ساتھ اس طرح معاملہ نہیں کیا جا سکتا جیسے دوسرے تندرست لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مریض کو نماز میں رعایت ہے' اس کے لئے سفر کے احکام الگ ہیں۔ اسی طرح اہلیت کو عارضہ لاحق ہو جائے تو اہلیت کے حجم میں عارضہ کے مطابق کمی ہو جاتی ہے اس کمی کی مقدار کے مطابق انسان کے جرم میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔

عوارض مندرجہ ذیل دو اقسام میں منقسم ہیں:

۱۔ سماوی عوارض یا قدرتی عوارض

جنون' عقل میں فتور' نسیان یا بھوک چوک' نیند بشمول بے ہوشی' مرض اور موت' یہ وہ عوارض ہیں جو انسان کے ارادہ و اختیار سے بالا ہیں' اس لئے انہیں قدرتی عوارض کہا جاتا ہے۔

۲۔ اکتسابی عوارض

عدم واقفیت' خطاء' ہنسی مذاق' کم عقلی' نشہ' اکراہ یا جبر' یہ وہ عوارض ہیں جو اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے۔ یہ یا تو خود انسان کے کسی فعل کا نتیجہ ہوتے ہیں جیسے ہنسی مذاق یا نشہ آور اشیاء کا استعمال۔ یا کوئی دوسرا انسان اس پر بالجبر

اپنا ارادہ مسلط کر کے کوئی کام کرواتا ہے۔

دونوں صورتوں میں انسان کی آزادانہ حیثیت متاثر ہوتی ہے اس لئے ان عوارض کے زیر اثر کئے گئے جرائم میں فوجداری مسئولیت کے احکام الگ ہیں جن کا مختصرا تذکرہ درج ذیل ہے۔

جنون

اس حالت میں انسان کی حس ادراک ختم ہو جاتی ہے۔ برے بھلے کی پہچان کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا' دوسروں ہی کا نہیں اپنا بھی نقصان مجنون سے ممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حالت میں جرم کی فوجداری مسئولیت ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کی دیوانی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ مجنون کسی کو قتل کر دے تو قصاص سے بری ہو جائے گا لیکن دیت ادا کرنا اس کے لئے لازم ہے۔ یہ اس کے مال سے لی جائے گی' بعض علماء کا کہنا ہے کہ دیت ادا کرنے میں اس کے اہل خاندان کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

اکراہ یا جبر

اکراہ سے مراد جبر (Coercion) ہے۔ یہ سماوی عوارض میں سے ہے نہ فاعل کے لئے اختیاری فعل ہے' پھر بھی اسے اکتسابی عوارض میں شمار کیا جاتا ہے۔ کوئی دوسرا آدمی فاعل کے ارادے و اختیار پر ڈر' خوف اور دھمکی کے ذریعے اثر انداز ہو کر کام کرواتا ہے اور اثر انداز ہونے والے شخص کو ہٹا دیا جائے تو فاعل وہ کام نہیں کرتا۔ اکراہ کو فقہاء نے دو قسموں' اکراہ تام اور اکراہ ناقص میں تقسیم کیا ہے۔ اکراہ تام سے مراد یہ ہے کہ فاعل کی رضا مندی جان لیے جانے کے خوف سے متاثر ہو اور اسی کے زیر اثر وہ کوئی جرم کر بیٹھے۔ اکراہ ناقص میں مار پیٹ' قید اور دوسرے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اکراہ کی حالت میں کبھی فوجداری مسئولیت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی باقی رہتی ہے۔ اکراہ کی بحث میں اتنی تفصیلات ہیں کہ اس بارے میں اختصار و اجمال ممکن نہیں اس لئے تفصیلی احکام جاننے کے خواہش مند افراد کتب فقہ ملاحظہ فرمائیں۔

کم سنی

فاعل سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو تو بھی اس کے لئے سزا کے احکام جدا ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بچے کی عمر کا پہلا دور پیدائش سے سات سال تک کا ہے۔ اس مدت میں اس پر کوئی فوجداری مسئولیت نہیں ہے۔ کوئی بچہ کسی کو مار ڈالے تو بچے پر قصاص نہیں نہ تادیبی سزا ہے' تاہم اس کے مال میں سے دیت وصول کی جائے گی اور

مال نہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی سے دیت لی جائے گی۔

بچے کے ادراک کا دوسرا دور سات سال سے بالغ ہونے تک ہے۔ اس عرصے میں اس پر قصاص نہیں صرف دیت ہے۔ اس پر حدود وغیرہ بھی جاری نہیں ہوں گی۔ دیوانی سزا اس طرح ہو گی جس طرح گزشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے۔ بچے کو عادی مجرم بننے سے بچانے کے لئے اس دور میں اسے کوئی تعزیری سزا بطور تادیب دی جا سکتی ہے جس کا مقصد اس کے دل میں خوف اور ڈر پیدا کرنا ہو۔ یہ تعزیری سزا فوجداری جرم کے بدلے میں نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا مقصد اصلاح ہو گا۔

کم سنی، جنون اور بے ہوشی کی صورت میں فوجداری مسئولیت کا خاتمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے ہے۔

> رفع القلم عن الثلاثة' عن النائم حتی یستیقظ' عن الصبی حتی یحتلم' و عن المجنون حتی یبراء
>
> تین آدمیوں پر سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ (یعنی ان پر کوئی گناہ نہیں) سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے' بچے سے یہاں تک کہ اسے احتلام ہو جائے (یعنی وہ بالغ ہو جائے) اور مجنوں سے حتیٰ کہ وہ کیفیت جنون سے نکل جائے۔

مدہوشی

یہ کیفیت' مے نوشی اور دوسری نشہ آور اشیاء کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی نے اپنے اوپر یہ حالت خود طاری کی ہو یعنی برضا و رغبت نشہ لیا ہو' اور اس حالت میں جرم کر بیٹھے تو اس کی مکمل فوجداری مسئولیت ہے' کوئی دوسرا بہلا پھسلا کر یا بالجبر اسے نشہ آور شے کھلا پلا دے یا وہ جائز شرعی حکم کے ماتحت نشہ آور شے بطور دوا لے اور مدہوش ہو جائے تو اس حالت میں اس کی مسئولیت کا الگ حکم ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھیے۔

مزید مطالعے کے لئے

گزشتہ سطور میں جرم و سزا کے اسلامی تصور پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ قارئین کو مزید مطالعہ پر راغب کرنے کی غرض سے ہے ورنہ اس موضوع کی جزئیات اتنی زیادہ ہیں کہ ان محدود صفحات میں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ اس لئے تفصیل کے خواہش مند اصحاب مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کا فوجداری قانون، حصہ اول، دوم، سوم، عبدالقادر عودہ شہید، مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

۲۔ اسلام میں جرم و سزا، ڈاکٹر عبدالعزیز عامر، مطبوعہ لاہور

۳۔ اسلامی قوانین، حدود، قصاص و دیت و تعزیرات، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مطبوعہ لاہور

۴۔ قصاص و دیت، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۵۔ حدود و تعزیرات، ڈاکٹر احمد حسن، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مسلم، کتاب الحدود

۲۔ الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دیکھیے ح د د

۳۔ الاصفہانی، حوالہ ایضاً دیکھیے ق ص ص

۴۔ سنن الدارقطنی، کتاب الحدود

۵۔ احمد بن حنبل، المسند

۶۔ الاصفہانی، حوالہ ایضاً دیکھیے ع ز ر

۷۔ البخاری، کتاب المظالم

۸۔ عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی

۹۔ الاصفہانی، حوالہ ایضاً دیکھیے و ض ع

مصادر و مراجع

۱۔ احمد بن حنبل: امام (۲۴۱ھ) "المسند" مصر، دار المعارف، ۱۳۷۰ھ

۲۔ الاصفہانی: حسین بن محمد، راغب (۵۰۲ھ) "المفردات فی غریب القرآن"
۳۔ البخاری: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح"، استنبول، دار الطباعہ العامرہ
۴۔ عودہ: عبد القادر (۱۳۷۴ھ) "التشریع الجنائی الاسلامی" بیروت دار الکاتب العربی
۵۔ مسلم: مسلم بن حجاج القشیری (۲۶۱ھ) "صحیح مسلم" استنبول دار الدعوہ، ۱۴۰۱ھ

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول-قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ' ماخذ دوم سنت

۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم قیاس

۵۔ اجتہاد ایک تعارف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری۔